اداریہ

پیغام سیرت

اسوۂ حسنہ کا ایک اہم پہلو

غور وفکر اور حکمت وتدبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو غور وفکر کی نہ صرف تعلیم دیتا ہے بل کہ اس پر ابھارتا اور اس کی ترغیب دلاتا ہے۔ اسلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ایک بہت بڑی نعمت عقل سے کام لے کر انسان غور وفکر کی عادت اپنائے، اور اپنے ہر طرح کے امور خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی حکمت وتدبر کے ساتھ انجام دے۔ جس کے لئے عقل سے کام لینا اور غور وفکر کو وظیفۂ حیات بنانا ناگزیر ہے، تاکہ اس دنیا کے معاملات بھی درست نہج پر استوار ہوسکیں اور آخرت کی تیاری بھی ممکن ہوسکے۔ قرآن حکیم کی ایک سورت میں یہ آیت تکرار کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ(۱)

بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اس طرح غور وفکر کی تلقین وہی کلام کرسکتا ہے جو حد درجہ بل کہ انسانی قوت واختیار سے ماورا سچائیوں کا علم بردار ہو، کیوں کہ اساطیری اور دیومالائی قصوں پر مشتمل پر دینی روایات کے حامل مذاہب

۱۔ القمر: ۱۷

غور وفکر کے زیادہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ جوں جوں انسان اس کی تعلیمات میں غور وفکر کرتا جاتا ہے، اور قرآن وسنت کے صفحات سے اپنا عقلی رشتہ جوڑتا جاتا ہے اسی رفتار سے اسلام پر اس کا یقین بڑھتا جاتا ہے، اور اگر اس مطالعے سے قبل اس کا ایمان نامکمل تھا تو اس مطالعے کے نتیجے میں وہ کمال ایمان کی وسعتوں اور گہرائیوں کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے نہ ماننے والوں کو بند دلوں والا قرار دیا ہے، جن کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں، جو سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیتوں سے عاری ہو گئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاO(۲)

کیا وہ قرآن میں وہ غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں؟

اسلام اسی بنا پر عقل اور علم دونوں کی تلقین کرتا ہے، اور دونوں سے ہدایت لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی بنا پر وہ بار بار عقل والوں کو مخاطب کرتا ہے۔ ہم پھر اپنی بات دہراتے ہیں کہ عقل کو اور اہل عقل کو صرف اور صرف اسلام نے مخاطب کیا ہے۔ اسلام کے علاوہ اس کی کوئی دوسری مثال عالم انسانیت کے پورے مذہبی لٹریچر میں نہیں ملتی۔

قران حکیم مسلسل اہل عقل کو خطاب کرتا ہے، ایک مقام پر عقل والوں کو جھنجوڑتے ہوئے کہتا ہے:

ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِO(۳)

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے اور تا کہ لوگ جان لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔

قرآن حکیم قیام قیامت کے بعد اہل جہنم کی گفت گو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْنَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِO (۴)

اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔

یعنی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا انجام ہماری بے عقلی کی علامت ہے۔ اگر ہم غور وفکر سے کام لیتے

۲۔ محمد: ۲۴

ابراہیم: ۵۲

۴۔ ملک: ۱۰

اور عقل کی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے تو اس انجام بد سے ہم یقیناً محفوظ رہ سکتے تھے۔

اسی طرح ایک مقام پر قرآن حکیم ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کے احساسات مردہ ہو چکے ہیں، جن کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے، اور جنہوں نے اپنے ذہن کے دریچے بند کر لئے ہیں۔ اب چوں کہ نئی ہواؤں کا گزر ان کے بالا خانوں سے نہیں ہو سکتا، اس لئے اب غور وفکر کے نتائج وثمرات وہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر اور راندۂ درگاہ قرار پاتے ہیں۔ قرآن ان محروموں کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O(۵)

اور کافروں کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی چلا چلا کر اس چیز کو پکارے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ (یہ کافر بھی) بہرے، گونگے، اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ایک مقام پر قرآن حکیم نے علم کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہوئے اس کا درجہ اس قدر بڑھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور مقام شاید ممکن نہ ہو۔ کیوں کہ علم بھی عقل کا ثمرہ اول ہے، اور علم ہی غور وفکر کی بنیاد بن سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O(۶)

اللہ، فرشتوں اور علم والوں نے انصاف کے ساتھ گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

یقیناً یہ بات درست ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں، کیوں کہ اپنے خیالات اور رسومات کی تنگنائیوں میں محصور انسان نہ تو عقل وشعور کی بلندیوں سے آشنا ہو سکتا ہے، نہ وہ اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے کہ معرفتِ رب کا یہ مرحلہ اول ہے۔ خود خالق کائنات نے قرآن حکیم میں جا بہ جا غور وفکر کی جو تلقین فرمائی ہے اس کا مقصد وحید یہی ہے کہ مخلوق کو پہچان کر خالق کی معرفت حاصل کی جائے، اور مظاہر قدرت سے خالق ومالک کے مقام ومرتبے کا شعور بے دار کیا جائے۔ جو شخص اپنی عقل کی درماندگی کے سبب اس منزل

۵۔ البقرۃ: ۱۷۱

۶۔ آل عمران: ۱۸

کا شعور نہیں رکھتا وہ ذاتِ جلالت مآب کی معرفت کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غور وفکر کی بات کرتے ہوئے ہمیں ایک اور پہلو کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ غور وفکر کی تلقین کرتے ہوئے اس کے مقاصد میں قرآن حکیم نے تاریخ سے عبرت پذیری کو بھی شامل کیا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں چلو پھرو مگر یہ سارا عمل آنکھیں کھول کر اور عبرت پذیری کے لئے ہو، اس کے بغیر یہ ساری مشقت محض بے کار ٹھہرے گی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرو اور گھوم پھیر کر سابقہ امتوں کے حالات کا مشاہدہ کرو، اور دیکھو کہ ان کے عروج وزوال کے اسباب کیا تھے؟ وہ کام یاب ہوئے تو کیوں کر؟ اور اگر ناکام ٹھہرے تو کن اسباب وعلل کی بنیاد پر؟ تاکہ آج کا انسان ان دونوں گروہوں سے، کام یاب لوگوں سے بھی اور ناکام لوگوں سے بھی عبرت حاصل کرے اور سبق سیکھے۔ قرآن کہتا ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا فَاِنَّھَا لَاتَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (۷)

کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ (تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ سنتے۔ پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بل کہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اور ایک مقام پر قرآن حکیم ماضی میں دنیا سے گزر جانے والی اقوام وملل کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت یوں دیتا ہے:

قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ O ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ O (۸)

تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں سو تم زمین پر چل پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کے لئے تو بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

پھر قرآن حکیم ایک جگہ یہ فرماتا ہے کہ آج کے انسان کی گم راہی کا اصل سبب یہ ہے کہ اس نے

۷۔ حج: ۴۵

۸۔ آل عمران: ۱۳۷۔۱۳۸

تاریخ سے بھی سبق نہیں سیکھا، اور اپنے سے پہلے گزرنے والوں کے حالات سے بھی عبرت حاصل نہیں کی۔ فرمایا:

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡا ہُمۡ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَمَا کَانَ لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّاقٍ O(۹)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ لوگ قوت میں اور ان آثار میں جو وہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور کوئی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوا۔

اسلام نے اسی بنا پر حکمت وتدبر کو بھی نہایت اہمیت عطا کی ہے۔ قرآن اپنے بہ قول کتاب حکمت ہے، اسی بنا پر کتاب ہدایت ہے۔ پھر خود اللہ تعالیٰ کا ایک اسم گرامی حکیم بھی ہے۔ حکیم یعنی صاحب حکمت اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ وہ اپنے مخلوق کے لئے ہدایت کا اہتمام فرمائے۔ چناں چہ قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے ایک مقام پر خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّہُدًی وَّرَحۡمَۃً وَّبُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ O(۱۰)

اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت ورحمت اور بشارت ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات میں یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف یہ کہ حکمت ودانائی کا سرچشمہ ہے بل کہ بے شمار لامتناہی علوم ومعارف کا منبع واحد بھی وہی ہے۔

مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ حکمت کی تشریح اور اس کے مفاہیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حکمت کا لفظ قرآن کریم میں متعدد معانی مثلاً علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے وغیرہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ابوحیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ

۹۔ مومن: ۲۱

۱۰۔ النحل: ۸۹

کلام ہے جس سے لوگ نصیحت کرسکیں اور وہ ان کے دلوں میں اثر کر جائے اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل وفہم اور ذہانت ہے۔ درحقیقت ان معانی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ سب چیزیں حکمت میں داخل ہیں اور قرآن حکیم ان سب خوبیوں کا حامل اور جامع ہے، کلماتِ حکمت میں سب سے پہلی بات عقائد کی درستی ہے، قرآن کریم میں عقائد کی درستی کو مقصد اول قرار دیا گیا ہے اور عقائد کی درستی میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کو بلاشرکت غیرے تمام جہانوں کا خالق اور مالک جاننا اور اس کی عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ اس عقیدے کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمائی ہے اور معمولی سے تدبر سے بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس عقیدے کو قرآن کریم کا نہایت بنیادی مقصد قرار دیا ہے، اسی طرح عقائد سے متعلق دوسرے امور یعنی فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یومِ آخرت وبعث بعدالموت وتقدیر پر ایمان لانے کی وضاحت واہمیت کو نہایت حکیمانہ انداز میں متعدد مقامات پر مختلف ودل کش ودل پذیر انداز میں بیان فرمایا ہے۔(۱۱)

حکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے، مومن کا تعارف اور پہچان ہے، ابوامامہ اور ابوسعید سے منقول ایک روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی فراست کو نورِ الٰہی کا پرتو قرار دیا ہے۔ فرمایا:

اِتَّقُوا فراسة المومن، فانه ينظر بنور الله(۱۲)

مومن کی فراست سے ہوشیار رہو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعے دیکھتا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، فرمایا:

الحكمة ضالة المومن(۱۳)

حکمت تو مومن کی متاع گم شدہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرائض منصبی

۱۱۔ مولانا سید زوار حسین شاہ۔ مقالات زواریہ۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۸ء: ص ۲۲

۱۲۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰، ص ۲۷۳، رقم ۱۷۹۴۰

۱۳۔ العجلونی۔ کشف الخفاء: ج ۱، ص ۴۳۵

بیان کرتے ہوئے جب فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۱۴)

اسی نے امیوں (ان پڑھ عربوں) میں اپنا رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے:

۱۔ آیات کی تلاوت

۲۔ تزکیہ نفوس

۳۔ تعلیم کتاب

۴۔ تعلیم حکمت۔

پھر یہی چار مقاصد بعثت الفاظ کی قدرے تقدیم وتاخیر کے ساتھ سورہ بقرہ آیات ۱۲۹، ۱۵۱ اور آل عمران ۱۶۴ میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چناں چہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ (۱۵)

اے ہمارے پروردگار! ان میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں (پڑھ کر) سنایا کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک صاف بنادے)۔

ان مقاصد میں حکمت ایک علیحدہ مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حکمت کے بہت سے مفاہیم ہوسکتے ہیں، لیکن اس آیت کی تشریح اور تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین سمیت مفسرین نے جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی رو سے اس کا مفہوم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ اور نہیں نکلتا۔ دوسرے مقام پر قرآن حکیم یہ وضاحت بھی فرماتا ہے کہ حکمت کا نزول اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۴۔ الجمعہ: ۲

۱۵۔ البقرۃ: ۱۲۹

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۱۶)

اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل کی اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط (۱۷)

اور تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور یہ احسان بھی یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب وحکمت نازل کی اور وہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔

خود جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے منقول ہے، کہ آپ نے اسی قرآنی مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا: مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آگاہ رہو مجھے کتاب (قرآن) عطا کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ آگاہ رہو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے ہوئے کہے گا کہ تمہارے لئے صرف یہ قرآن حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ پس جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ (۱۸)

حضرت معاذ بن جبل کے ساتھیوں سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو (قاضی بنا کر) یمن کی طرف روانہ فرمانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے سامنے فیصلے کے لئے کوئی معاملہ پیش ہوگا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں اس کا جواب نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا پھر سنت رسول سے (فیصلہ کروں گا) آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی (اس کا حکم) نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے

۱۶۔ النساء: ۱۱۳

۱۷۔ البقرۃ: ۲۳۱

۱۸۔ ابوداؤد۔ السنن۔ دار الفکر، ۱۹۹۴ء: ج ۴، ص ۲۰۴، رقم ۴۶۰۴

☆ ترمذی۔ الجامع السنن۔ دار الفکر ۱۹۹۴ء: ج ۴، ص ۳۰۲، رقم ۲۶۷۳

سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

تمام تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں۔(۱۹)

یہی سبب ہے کہ جناب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں اہل سیر متفق ہیں کہ آپ کے حکمت ودانائی، غور وفکر، فہم وفراست، اور تدبر کا کوئی دوسرا مثیل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بھی کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے کہ خود جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ فراست مومن سے ہوشیار رہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فراست ایمان کی کوکھ سے جنم لیتی ہے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی بلندی اور وسعت کو دنیا میں کیوں کر ناپا جاسکتا ہے؟ اس لئے آپ کی فراست، حکمت اور دانائی کی بلندی، وسعت اور گہرائی کی بھی کسی دوسرے سے مثال نہیں دی جاسکتی۔

چناں چہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں فہم و فراست، ذکاوت وذہانت، تدبر وتعقل اور حکمت ودانائی کے باب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے فائق نظر آتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اسباب کے لحاظ سے اُمّی تھے کہ ایک لمحے کے لئے بھی آپ نے کسی مکتب، درس گاہ یا کسی شخصیت سے کسی نوعیت کا بھی اکتساب فیض نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا ہوا سب کا سب بہ راہ راست اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ تھا۔ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم وفراست، ذکاوت اور حکمت بھری حیات طیبہ آپ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ پیغمبر اور سب سے عالی مرتبت نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری طور پر ذکاوت و ذھانت، فہم وفراست، سلامتِ فکر اور جودتِ طبع کے اعتبار سے بے مثال و باکمال پیدا کیا تھا، اور انسانی تاریخ کا مکمل غیر جانب داری سے مطالعہ کرنے والا شخص بالآخر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس مرتبے اور مقام کا حامل کوئی اور نہ آپ سے پہلے آیا نہ آپ کے بعد، اور سچ تو یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال کیا ملے گی، حیاتِ انسانی کے کسی ایک شعبے اور زندگی کے کسی ایک معاملے میں بھی آپ کے

۱۹۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۹۵، رقم ۳۴۳۵۹۲

☆ حاکم۔ المستدرک۔ دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۰ء: ج ۱ ص ۱۷۲، رقم ۳۱۹

مقام ومرتبے کا کوئی شخص پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔

گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام علوم ومعارف کا سرچشمہ اور حقائق ومعارف کا سرچشمہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جس قدر علوم ومعارف کا منبع وماخذ ہے دنیا میں کسی کو اتنے علوم کی ترویج وترتیب کا شرف حاصل نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ دنیائے علم وحکمت میں نئی راہیں پیدا کرنے کا موجب بنا اور آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہر بات مسلمانوں کے لئے ہی نہیں غیر مسلم دانشوروں اور اہل علم کے لئے بھی تحقیق وتدقیق کا بہترین موضوع بنی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے مثال علمی ورثہ چھوڑا ہے وہ آج بھی پوری کائنات کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور پوری بنی نوع انسان کے لئے چراغِ راہ کا کام کر رہا ہے۔(۲۰)

حکمت ودانائی رسول اللہ ﷺ کے مزاج کا بھی حصہ ہے اور آپ کا تعارف بھی۔ آپ کی عسکری زندگی ہو یا سیاسی دونوں محاذوں پر آپ کی کامیابی آپ کی حکمت ودانائی کا بین ثبوت ہے اور یہی حکمت ودانائی ہمارے لئے ایک سبق بھی ہے اور مثالی اسوۂ حسنہ بھی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں اپنے ہر ہر محاذ پر اپنی حکمت ودانائی کے سبب کامیاب وکامران رہے۔ آپ کی یہ کامیابی وکامرانی پورے عالم اسلام میں آپ کو بہ حیثیت قائد اور مدبر ممتاز اور نمایاں ترین مقام پر فائز کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت اور تدبر پر گفت گو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک اور چیز جو رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام مدبرین کے مقابلے میں امتیاز اور ان پر فوقیت بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قائد اور مدبر بھی کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ اپنی زندگی میں یا اپنے بعد ہی ایسے لوگ پیدا کر سکتا جو اس کے پیغام، اس کی فکر، اس کے فلسفے، اس کے قائم کردہ نظام اور اس کے پیش کردہ طریق زندگی کی روح سے واقف ہوں اسی انداز سے اس کی اٹھائی ہوئی تحریک کو لے کر آگے چل سکیں اور اس کی جانشینی کے جملہ تقاضے پورے کر سکیں۔ اس معاملے میں اگر کسی کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے تو صرف اس قدر کہ اس کے مرنے کے بعد دو ایک آدمی ایسے کھڑے ہو گئے جنہوں نے جزوی طور پر اس کے شروع کئے ہوئے مشن کی کچھ خدمت کی اور پھر وہی قحط الرجال اور بے مردی کا عالم۔ مہاتما بدھ، کنفیوشش اور حضرت عیسیٰ مسیح سے لے کر موجودہ زمانے کے

۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب: جلد محمد رسول اللہ ﷺ، ص ۱۱۱

قائدین تک کون ہے جس نے اپنے جیسے جانشینوں کی ایک جماعت چھوڑی ہو، جس نے اپنے قائد کے مشن کو کما حقہ آگے بڑھایا ہو اور ان ہی خطوط پر تحریک کی رہ نمائی کی ہو جو قائد تحریک کے پیش نظر تھے۔

دوسری طرف محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھئے اور آپ کے پاک باز ساتھیوں پر نظر ڈالئے ان میں سے ہر ایک بہ قول زبان وحی آسمان ہدایت کا نجم تاباں ہے۔ ان حضرات نے کہاں تک پیغام محمد کی روح کا درک حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ماہرین حدیث نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کا وہ گروہ جس سے آں حضرت ﷺ کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث مروی ہے، ایک لاکھ سے زائد تعداد رکھتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سال کے عرصے میں کیسے ساتھی تیار کئے تھے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے عزم واستقلال، حضرت عمرؓ کے عدل وانصاف حضرت عثمانؓ کی حیا اور حضرت علیؓ کی قضا سے معلوم ہوگا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کو ان کے بعد کیسے لوگوں نے آگے بڑھایا۔ یہ اللہ کی تلوار حضرت خالدؓ بن ولید کی شجاعت، عمرو بن العاص کی سیاست، فاتح ایران سعد بن وقاص کی عسکری قیادت سے پتہ چلے گا۔ پیغام محمد کی روح کو سمجھنے والے کیسے تھے؟ یہ ہم کو حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ کے درسِ حدیث، ابو درداء اور زید بن ثابتؓ کے درس قرآن، عبداللہ بن عباس کے درسِ تفسیر اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود کے درسِ فقہ میں معلوم ہوگا۔ الغرض محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی کس کس صفت کا ذکر کیا جائے:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمۂ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست(۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ہمہ گیری اور اسوہ حسنہ کی ہمہ جہتی کے سبب ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں انسانی زندگی کے حوالے سے ہر پہلو سے رہ نمائی میسر آتی ہے۔ تدبر و تفکر اور حکمت کے مظاہر جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نظر آتے ہیں اس قدر کسی اور ذات میں ملنا ممکن نہیں۔

لیکن تدبر اور حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا محض ایک پہلو ہے اور بہ حیثیت مدبر بھی آپ کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں تک ان کے رب کا پیغام ہدایت پہنچایا جائے اور پھر اس پیغام کو قبول کرنے والوں کی تعلیم وتربیت کے ذریعے ایک امت مسلمہ کی تشکیل ہو، یہ امت مسلمہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی

۲۱۔ ڈاکٹر محمود غازی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت وتدبر۔ ماہ نامہ مسیحائی، سیرت رسول نمبر، اپریل ۲۰۰۳ء: ص ۹۱

حجت و برہان قرار پائے، اس کے جملہ انفرادی و اجتماعی نظامات اسلام کی بنیادوں پر قائم ہوں، اس کے تمدن کی اساس قرآن وسنت پر ہو۔ یہ امت دنیا میں عدل و انصاف کی علم بردار ہو، اور زبان حال اور زبان قال سے شہادت حق کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے۔ حق و باطل کا معیار وہی اصول قرار پائیں جن پر اس امت کی اساس ہو۔ اقوام عالم کی فکری تہذیبی رہ نمائی کا منصب اس امت کو حاصل ہو۔ یہ امت ان اصولوں پر دنیا بھر کی اصلاح کے لئے کوشش کرے اور دنیا کے انسانوں تک دین حق کی دعوت کو پہنچائے۔ حق و باطل کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرے اور اسی طرح دنیا میں اللہ کی حجت تمام ہو جائے:

لیھلك من ھلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة(۲۲)

جو ہلاکت میں پڑنا چاہے (وہ سوچ سمجھ کر) دلیل کے ذریعے ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا چاہے وہ بھی (علی وجہ البصیرت) دلیل کے مطابق زندہ رہے۔(۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور حکمت کے مظاہر آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ پر محیط ہیں۔ ان واقعات میں سے ہر واقعہ ہمارے لئے بصیرت افروز بھی ہے اور نصیحت آمیز بھی۔ اس بنا پر ہم چند واقعات اور ان سے اخذ شدہ نتائج ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے کا واقعہ ہے بیت اللہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا جاتا ہے، تعمیر شروع ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بہ نفس نفیس حصہ لیتے ہیں۔ روایات کے مطابق اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آتا ہے، حجر اسود اس وقت بھی عظمت و افتخار کی علامت تھا، قبائل عرب اپنی روایت کے عین مطابق اس فقر و مباہات کو حاصل کرنے کے لئے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس بحث مباحثے میں کئی روز بیت گئے۔ پانچ روز تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ عربوں کی تاریخ، ان کے مزاج اور رواج کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس وقت ان کے مابین اس بنیاد پر کوئی لڑائی چھڑ جاتی تو برس نہیں بل کہ صدیاں اس لڑائی کی نذر ہو جاتیں، اور فیصلہ پھر بھی نہ ہوتا۔

پانچویں روز یہ طے ہوا کہ کل صبح سب سے پہلے حرم میں آنے والے شخص کو ثالث بنا لیا جائے۔

۲۲۔ الانفال: ۴۲

۲۳۔ ڈاکٹر محمود غازی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و تدبر: ص ۹۱

اتفاق کہیے یا مشیت الٰہی، جب سب لوگ علی الصبح حرم میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف فرما ہیں۔ سب نے دیکھتے ہی بے ساختہ کہا کہ یہ تو محمد ہیں، یہ امین ہیں، ہم امین کی ثالثی پر راضی ہیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اس شرف کو اپنے لئے، اپنے قبیلے کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے خاص کر لیتے، مگر آپ کے تدبر نے اس کا راستہ یہ تجویز کیا کہ آپ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس پر رکھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے، تاکہ ہر قبیلے کو اس شرف میں شرکت کا اعزاز حاصل ہو جائے۔ جب حجر اسود کو مقام تنصیب تک پہنچا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے وہاں نصب فرما دیا۔ (۲۴)

درحقیقت یہ محض آپ ﷺ کی فہم وفراست اور حسن تدبر سے ہی ممکن ہوا، ورنہ مشرکین عرب تو پانچ روز تک غور وفکر کے بعد باوجود اس مسئلے کو حل کرنے سے عاجز آ چکے تھے۔ قبل از نبوت ذات رسالت مآب علیہ صلوۃ والتسلیم کی حکمت کی یہ نہایت نمایاں مثال ہے۔

روایات سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از نبوت بھی مشرکین مکہ کی عملی خرافات اور اعتقادی برائیوں یعنی مراسم شرک سے مجتنب ومحفوظ تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جاہلیت کی تمام برائیوں سے محفوظ ومامون رکھا، یہ آپ کی کرامت اور مستقبل میں ملنے والی رسالت کے سبب سے ممکن ہوا۔ (۲۵)

یہ بات نہایت حیرت کا باعث ہے کہ اس ماحول میں جب کہ مراسم شرک کا رجحان ان کی زندگی کا لازمہ بن چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کس طرح محفوظ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مرحلے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غور وفکر اور فہم وفراست نے اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی میں آپ پر یہ واضح فرما دیا تھا کہ مشرکین مکہ کے توہمات، معمولات، مراسم شرک اور دیگر اعتقادی وعملی خرابیاں انسان کی فطرت کے خلاف ہیں، اور انسانی فطرت اور شرافت نفس کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان سب چیزوں سے محفوظ و

۲۴۔ حلبی۔ انسان العیون: ج ۱، ص ۲۲۹

☆ ابن سید الناس۔ عیون الاثر: ج ۱، ص ۱۲۱

☆ زرقانی علی المواھب اللدنیہ: ج ۱، ص ۲۰۳

۲۵۔ دکتور سلیمان بن حمد العودۃ۔ السیرۃ النبویہ فی الصحیحین وعند ابن اسحاق۔ ریاض، دار الطیبہ ۲۰۰۲ء: ص ۱۳۴

مامون رہے۔(۲۶)

وحی الٰہی کی آمد کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنث کا سلسلہ اختیار فرمایا۔آپ ﷺ سامان خورد ونوش لے کر ہائشی آبادی سے دور غار حرا کی بلندی پر تشریف لے جاتے اور تمام دنیاوی علائق سے الگ اور انسانی زندگی کے جھمیلوں سے دور رہ کر کائنات کی حقیقتوں میں غور وفکر، مظاہر قدرت میں تفکر اور مجاہدے، ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے۔

علامہ بدرالدین عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عبادت اور تحنث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قيل ما كان صفة تعبده اجيب بان ذلك كان بالتفكر والاعتبار (۲۷)

یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے: غور وفکر اور عبرت پزیری۔

بخاری کی روایت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ روز کا زاد راہ لے کر تشریف لے جاتے، اور جب سامان ختم ہو جاتا تو آپ پھر لوٹتے اور پھر مزید گزر بسر کی ضروری چیزیں لے کر غار حرا تشریف لے جاتے۔(۲۸)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت، فہم وفراست کے ذکر میں آپ کی اسلوب دعوت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔سب جانتے ہیں کہ اسلام کے آغاز کے بعد تین سال نہایت خاموشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی ذمے داریاں ادا کیں، اس دوران آپ نماز بھی ادا فرماتے تو ایسے مقام پر جہاں عام طور پر لوگوں کا گزر نہ ہوتا، اس مقصد کے لئے عموماً مکہ مکرمہ کی کسی وادی کا انتخاب ہوتا۔پھر تین

۲۶۔مراسم شرک سے اجتناب کے حوالے سے تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے:

☆ابن ہشام: ج ۱، ص ۲۰۷

☆فتح الباری: ج ۷، ص ۱۷۹

☆مسند احمد: ج ۵، ص ۵۹

۲۷۔علامہ بدرالدین عینی۔عمدۃ القاری: ج ۱، ص ۶۷

۲۸۔بخاری: ج ۱، ص ۳

☆مسلم: کتاب الایمان باب بدء الوحی

سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانیہ تبلیغ کے لئے حکم نازل ہوا اور قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ O (۲۹)

آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجئے اور مشرکوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے۔

چناں چہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کھل کر سامنے آ گئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ O (۳۰)

اور آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان سے دعوت اسلام کا آغاز کیا اور قرابت داوں کو قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق دعوت اسلام دی۔ اب یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں تبلیغ رسالت کے لئے خاندان کے لوگوں کی تخصیص کیوں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنبے اور خاندان کے لوگ اپنے تعلق اور رشتے کی بنا پر اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہر اچھے کام میں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ اس کے علاوہ باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بنا پر ان کے سامنے کسی قسم کا جھوٹا دعویٰ کام یاب نہیں ہوسکتا۔ اگر قریبی رشتہ دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی حمایت و امداد پائے دار ہوتی ہے۔ اس طرح حق وصداقت کی بنیاد پر جب قریبی رشتہ داروں کا ایک ماحول اور فضا تیار ہو جاتی ہے تو اس سے دین کے احکام پر عمل کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ مختصر سی طاقت جماعتی شکل اختیار کر کے دوسروں تک دعوت وتبلیغ پہنچانے میں مدد دیتی ہے۔

اسی لئے اس آیت کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کی تخصیص کی گئی ہے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خاندان کے تمام لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا۔ اگر چہ اس وقت لوگوں نے حق قبول کرنے سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی قوت ملی۔ (۳۱)

۲۹۔ الحجر: ۹۴

۳۰۔ الشعراء: ۲۱۴

۳۱۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن: ج ۶، ص ۵۵۳

نبوت کے آغاز کے بعد ہی مسلمانوں کو سخت ترین آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اپنے شہر کے در و دیوار ان کے لئے اجنبی بنا دیئے گئے اور ان کے لئے محض کلمہ توحید کا اقرار کرنے کی پاداش میں جینا دوبھر کر دیا گیا۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خداداد فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ منتقل ہو جائیں، چناں چہ ابن شہاب زہری کی روایت میں مذکور ہے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی طرف سے پہنچے والی ایذا رسانی میں اضافہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ زمین میں پھیل جاؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عن قریب پھر جمع کرے گا۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا کہ کہاں جائیں تو آپ ﷺ نے حبشہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ (۳۲)

یہ ہجرت مسلمانوں کے لئے عارضی سہارا اور ان کے جذبات کو بلند رکھنے کا بہت بڑا سبب ثابت ہوئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی فہم و فراست اور ہمت و تدبر سے کام لے کر مسلمانوں کے بہت بڑے طبقے کو ایک مشکل دور اور خطرناک حالات سے نجات دلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت بھی ایک عظیم الشان واقعہ ہے، ہجرت کے لئے مدینہ منورہ کا انتخاب اللہ کی جانب سے ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فہم و فراست سے کام لے کر اسلام اور دعوت اسلام کو فروغ دینے والے عوامل تلاش کئے اور انہیں بنیاد بنا کر ایک ایسی ریاست کی تشکیل دی، جس نے آئندہ چل کر پوری کائنات میں امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس وقت وہاں موجود قبائل پہلے سے بالادست حیثیت کے حامل تھے، اس بنا پر مسلمانوں کو ایک نئے نظام کی تنفیذ اور نئے معاشرے کی تاسیس کے لئے فضا ہموار ملی اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔

اس ریاست کے قیام میں ایک حکمت یہ پنہاں تھی کہ اس کی نتیجے میں اسلام کی تعلیمات کا وہ حصہ جو حکومت و ریاست سے تعلق رکھتا تھا عملی صورت میں عوام الناس کے سامنے آیا اور انہوں نے جان لیا کہ اسلامی نظام کی برکتیں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں۔ یہاں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی ممکن ہوا کہ آپ مختلف قبائل سے برابری کی سطح پر معاہدے کریں اور اسی طرح اطراف کی حکومتوں اور قبائل کو یہ پیغام دیں کہ اسلام ایک قوت ہے اور مسلمان اس کائنات کی نہایت اہم حقیقت، اب ان سے برابری کی سطح پر بات کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس طرح قریش مکہ کی جانب سے مسلمانوں کو عام معاشرے سے کاٹ کر الگ کرنے اور نظر انداز کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ اسی طرح

۳۲۔ عبدالرزاق۔ المصنف: ج ۵، ص ۳۸۴

ہجرت مدینہ ہی سے یہ بھی ممکن ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر ریاست کی حیثیت سے دعوت اسلام سے اطراف کی حکومتوں اور قبائل کو آگاہ کیا اور انہیں خطوط لکھ کر اسلام کی حقانیت کی جانب متوجہ کیا۔ ان خطوط کے اسلوب سے بھی یہ نقطہ سامنے آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی بل کہ دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں نتائج وعواقب کی ذمے داری بھی ان ہی پر عائد کی۔ ان خطوط اور معاہدات کی روشنی میں اسلامی ریاست کو اطراف کی چھوٹی بڑی تمام قوتوں نے قبول کر لیا اور یوں مسلمانوں کی حیثیت مسلم اور ان کی ریاست مستحکم ہوگئی۔ یہ سب کچھ ہجرت مدینہ ہی کے ذریعے ممکن ہوا۔

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اہم چیلنجز درپیش تھے ان میں سب سے بڑا چیلنج ان سیکڑوں مسلمان خاندانوں کی آبادکاری کا چیلنج تھا، جو ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مدینہ طیبہ آئے تھے اور مکہ مکرمہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر انہوں نے اپنا زندگی بھر کا اثاثہ اسلام پر قربان کر دیا تھا۔ ان کی آبادکاری محض ایک معاشی مسئلہ نہیں تھا بل کہ اس کے سماجی اثرات بہت نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حل اس طرح پیش کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہ آپ سے پہلے ملتی ہے نہ آپ کے بعد آپ نے مواخات اور اسلامی بھائی چارے کا عالم گیر نظریہ پیش کیا اور ذمی حیثیت انصار کو ایثار پیشہ مہاجرین کا بھائی بنا دیا۔ ایک ایک شخص کو مہاجرین میں سے ایک ایک انصاری کے ساتھ رشتہ مواخات میں منسلک کر دیا گیا، اور یہ رشتہ اس قدر مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا کہ ہر انصاری اس رشتے کو سگے رشتے سے زیادہ فوقیت دی اور گھر کی ہر چیز حتیٰ کہ جن کی دو بیویاں تھیں انہوں نے طلاق کے ساتھ مشروط کر کے ایک بیوی اپنے مہاجر بھائی پر قربان کرنے پر آمادگی ظاہر کی دی۔ (۳۳)

یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت وتدبر اور فہم وفراست کی بہ دولت ہوا۔ اس مواخات کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے دونوں طبقات مہاجرین اور انصار کے درمیان کسی قسم کی سماجی تفریق جنم نہ لے سکی بل کہ ان کی معاشی مسائل بھی حل ہو گئے اور رفتہ رفتہ مہاجرین نے اپنی محنت اور

۳۳۔ چناں چہ ملاحظہ کیجئے سعد بن ربیع اور عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہما کا واقعہ۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۱۲

۳۴۔ شامی۔ سبل الھدیٰ والرشاد: ج ۳، ص ۳۶۳

☆ سہیلی۔ الروض الانف: ج ۲، ص ۲۵۲

☆ زرقانی: ج ۱، ص ۳۷۳

ذہانت کے بل بوتے پر نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مستحکم کرلیا بل کہ اسلامی ریاست کے ایک کارکن کی حیثیت سے اس کے دست وبازو بن گئے۔(۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور فہم وفراست کے حوالے سے ایک اور واقعہ جو قابل غور ہے وہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس بنا پر کہ اس واقعے نے نہ صرف یہ کہ جغرافیائے عرب پر مثبت اثرات مرتب کئے، بل کہ پورے جزیرۃ العرب کی تاریخ میں اس سے بہت بڑا تغیر واقع ہوا اور ماضی کے برعکس مستقبل کے بہت سے روشن امکانات نے اس واقعے سے جنم لیا۔

صلح حدیبیہ کی پوری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا موقع ہے البتہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ردعمل میں صحابہ کرامؓ سے جن کی تعداد روایات میں چودہ سو سے سولہ سو کے درمیان بیان ہوئی ہے، جہاد کی بیعت لی اور حالات کی سنگینی اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کے باوجود ان کے جذبہ جہاد نے اس بے یقینی کے ماحول میں ایسی فضا کی تشکیل کی کہ ایک جانب تو قرآن حکیم نے اس بیعت کو بیعت رضوان قرار دے کر اس کی ستائش میں پورا بیان نازل فرمایا اور اس بیعت میں شریک صحابہ کرام کو نزول سکینہ اور رضائے خداوندی کی بشارت دی۔(۳۵)

چناں چہ سورۂ فتح میں اس بیعت کا ذکر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْيُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِي قُلُوبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيباً O وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَاْ خُذُونَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًاO (۳۶)

البتہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جبکہ وہ اس درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے، پھر اس نے معلوم کرلیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر سکینت اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

۳۵۔ شامی: ج ۵، ص ۵۰

☆ زرقانی: ج ۲، ص ۲۰۷

۳۶۔ الفتح: ۱۸۔۱۹

اور دوسری جانب بیعت رضوان کا وہ منظر اس قدر مرعوب کن تھا کہ اس سے قبل لڑائی کے بہانے تلاش کرنے والے قریش بیعت کا منظر دیکھتے ہی خوف زدہ ہو گئے اور صورت حال سے مرعوب ہو کر انہوں نے صلح پر آمادگی ظاہر کر دی۔(۳۷)

یہ صلح جن حالات میں اور جن شرائط کے تحت ہوئی وہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے قطعاً خوش کن نہیں تھیں۔اس بات کا اندازہ ان شرائط کے سرسری مطالعے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔چناں چہ ملاحظہ کیجئے کہ اس صلح کی شرائط کیا تھیں؟

۱۔دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

۲۔مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں، سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔صرف تین دن مکے میں قیام کریں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

۳۔قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا اس کو واپس کیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

۴۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکے چلا جائے گا۔ اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

۶۔جو مسلمان پہلے سے مکے میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکے میں رہ جانا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے۔(۳۸)

یہ شرائط اس قدر کڑی اور مسلمانوں کے حق میں اس قدر توہین آمیز تھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا مدبر بھی اس پر خاموش نہ رہ سکا۔ان کے جذبات اور ان جذبات کا اظہار صلح حدیبیہ کے ماحول کے حوالے سے ہمارے سامنے ایک نمایاں تصویر پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوالات اور ان کے جوابات سے اس فضا کا کچھ اندازا کیا جا سکتا ہے۔حضرت عمر خود

۳۷۔زرقانی: ج ۱، ص ۹۴

۳۸۔سیرت ابن کثیر: ج ۳، ص ۳۲۲

فرماتے ہیں کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر دین کے معاملے میں ہمیں دبنا نہیں چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم جلد بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال بیت اللہ جائیں گے، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں، پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: بے شک تم وہاں جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے۔ (۳۹)

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خیال اور ہم نوا اگر تھے، اور اس صلح کی حقیقت سے کوئی واقف تھا تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے پورے یقین کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراضات کا جواب بھی دیا اور انہیں یقین بھی دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یقیناً سچا ہے اور تم سب بیت اللہ کا طواف ضرور کرو گے۔ (۴۰)

اس صلح کی اہمیت اس قدر تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو سورۃ فتح کا نزول ہوا، جس کے ذریعے مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ صلح جس کو وہ حالات نہ سمجھنے کی وجہ سے شکست سمجھ رہے ہیں، دراصل فتح عظیم ہے۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کو بلا کر انہیں سنائی، کیوں کہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے۔ صحابۂ کرامؓ اس سورۃ کو سن کر مطمئن ہوگئے۔ پھر جلد ہی اس صلح کے فوائد سامنے آنے لگے۔ یہاں تک کہ اس صلح کے عظیم الشان فتح ہونے میں کسی قسم کا شک و

۳۹۔ بخاری: ج ۲، ۸۲

☆ مسلم: کتاب الجہاد والسیر باب صلح حدیبیہ

☆ مسند احمد: ج ۵، ۴۳۳

۴۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۸۲

☆ مسند احمد: ج ۵، ص ۴۳۳

شبہ باقی نہ رہا۔(۴۱)

یہاں ں پر مناسب ہوگا کہ ہم صلح حدیبیہ کے فوائد بھی اختصار کے ساتھ پیش کردیں، تا کہ اندازا کیا جاسکے کہ رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور فہم وفراست ان حالات کو کس نظر سے دیکھ رہی تھی۔

ا۔مسلمانوں کو باقاعدہ سیاسی قوت تسلیم کر کے دوسرے عرب قبائل کو اختیار دے دیا کہ وہ دونوں سیاسی طاقتوں (قریش اور مسلمانوں میں سے) جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کرلیں۔

۲۔دس سال تک جنگ نہ کرنے کے معاہدے نے مسلمانوں کو امن وسکون فراہم کیا اور عرب قبائل میں تیزی سے اسلام کی اشاعت کا موقع دیا جس سے صرف دوسال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی سے بھی بڑھ گئی اور جب صلح کے صرف دوسال بعد قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ہم راہ دس ہزار سے زیادہ کا لشکر تھا۔ جب کہ صلح حدیبیہ کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف ۱۴سو صحابہؓ کی جماعت تھی۔

۳۔ جنگ نہ کرنے کے معاہدے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کرلیا اور اسلامی قوانین جاری کر کے مسلم معاشرے کو مکمل تہذیب وتمدن کی شکل دے دی۔

۴۔مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دے کر قریش نے یہ تسلیم کرلیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے بل کہ اس کے پیرو بھی عربوں کی طرح حج وعمرے کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔اس سے اسلام کے خلاف عرب قبائل میں پائی جانے والی نفرت میں بھی کمی ہوئی۔

۵۔اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں نے شمالی اور وسطی عرب کی مخالف قوتوں کو آسانی سے زیر کرلیا، جس میں یہود کے سب سے بڑے گڑھ خیبر کا فتح ہونا اور تبوک کی یہودی بستیوں کا زیر نگیں آنا بھی شامل ہے۔ان فتوحات کے نتیجے میں عرب میں طاقت کا توازن بدل گیا مشرکین کم زور ہوگئے اور اسلام دن بہ دن قوت حاصل کرتا چلا گیا۔(۴۲)

رسول اللہ ﷺ کی فہم وفراست، آپ کی دور اندیشی اور بصیرت کا بیان صلح حدیبیہ پر ہی مکمل نہیں ہو جاتا، غزوات وسرایا ہوں یا وفود عرب سے بات چیت، مختلف قبائل سے معاہدے ہوں یا منافقین کی

۴۱۔تفسیر روح المعانی: ج۲۶، ۸۳، ۸۴

۴۲۔سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم: ج۱، ص۳۸۲

جانب سے وقتاً فوقتاً اٹھائی جانے والی اندرونی شورشیں ہر مقام پر یہ حقیقت واضح اور مجلی ہو کر سامنے آتی ہے کہ محض رسول اللہ ﷺ نے اپنی فہم وفراست اور بصیرت، حکمت وتدبر سے ان مسائل کو حل کیا اور امت مسلمہ کو دنیاوی اعتبار سے بھی امامت کے منصب پر سرفراز کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور فہم وفراست کے مظاہر ایک اور حوالے سے بھی سامنے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جس شخصیت کو جس مقصد کے لئے نام زد فرمایا اس نے وہاں اس ذمے داری کو بھرپور طریقے سے ادا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس ذمے داری کے لئے اس سے بہتر شخصیت کا انتخاب ممکن نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور فہم وفراست اور حکمت وتدبر کے حوالے سے پیش کئے جانے والے ان چند اشارات میں ہمارے لئے چند در چند اسباق پوشیدہ ہیں۔ ہماری بے عملی بل کہ بدعملی اپنی جگہ، مگر جو کچھ ہم کرتے بھی ہیں، اس میں بھی بے ترتیبی، حالات سے ناواقفیت، منصوبہ بندی اور اہداف سے لاپرواہی عام طور پر نظر آتی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا درس تو یہ ہے کہ جو کیا جائے وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر، پوری تیاری اور مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے۔ یہ بھی سنت نبوی ہے۔ اس پر عمل کے نتیجے میں بھی ان شاء اللہ دنیا کی کام یابی اور آخرت کی برکتیں ہمیں میسر آسکتی ہیں۔